اہلبیت علیہم السلام کی نظر میں
فہم قرآن کی مشکلات اور خطرات

علی محمد قاسمی *

ترجمہ: حجۃ الاسلام سید حسنین عباس گردیزی

کلیدی کلمات: اہل بیتؑ، فہم قرآن، تفسیر بالرائے، راسخون فی العلم، علامہ طباطبائی، فیض کاشانی، خصوصیات قرآن،

خلاصہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ آیات الٰہی کو سمجھنا سب کے لیے ممکن ہے اگرچہ دلالت کے لحاظ سے یا فہم قرآن میں صافی اور دشواری کے لحاظ سے مختلف مراتب ہیں۔ راسخون فی العلم (اہل بیتؑ) کے علاوہ ہر کسی کی یہ مجال نہیں ہے کہ قرآن کی گہرائیوں کو سمجھ سکے، اس کے بواطن کی تہہ تک پہنچ سکے یا اس کے تأویل سے آگاہ ہوسکے۔ ان بزرگ ہستیوں نے متعدد احادیث کے ذریعے جو ان سے نقل ہو کر ہم تک پہنچی ہیں، لوگوں کو قرآن سے استفادہ کرنے دعوت دی ہے اس خدشے کے پیش نظر کہ مبادا لوگ کتاب الٰہی کو سمجھنے میں غلطی کا ارتکاب کریں، انہیں تفسیر بالرائے سے خبر دار کیا ہے اور دوسری طرف مختلف انداز اور الفاظ میں فہم قرآن کے بارے میں خطرات اور مشکلات سے آگاہ کیا ہے تاکہ ناخواستہ یا ندانستہ طور پر ایسے خطرات سے دوچار نہ ہو جائیں اور اس کے نتیجے میں کلام الٰہی کو نہ خود صحیح طور پر سمجھ سکیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں۔ اس مقالے میں تفسیر بالرائے کے حوالے سے معصومین علیہم السلام نے جن باتوں اور خطرات سے خبر دار کیا ہے، انہیں بیان کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

مقدمہ

جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ "قرآنی آیات کے دلالت کے اعتبار سے عام فہم یا دشوار فہم ہونے کے لحاظ سے مختلف درجے ہیں ان میں بعض آیات بہت ہی واضح اور بدیہی ہیں چنانچہ سب لوگ ایسی آیات کو سمجھ سکتے ہیں لیکن بعض دیگر آیات کو سمجھنا مطلب کی گہرائی، باطن اور تأویل تک رسائی ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے بلکہ ان آیات کا علم اللہ تعالیٰ، انبیاءؑ اور راسخون فی العلم کے پاس ہے۔ اگر دوسرے ان آیات کی حقیقت اور ان کے معانی کی گہرائیوں کو تک پہنچنا چاہتے ہیں تو انہیں قرآن کے حقیقی مفسرین کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قرآن دو جلدوں کے درمیان لکھی ہوئی تحریر ہے اس کی زبان نہیں ہے کہ بول سکے لہٰذا اسے ایک ترجمان کی ضرورت ہے۔ (1)

زیارت جامعہ کبیرہ میں آئمہ معصومینؑ کے لیے مذکورہ یہ جملہ "وتراجمة لوحیه" (2) اسی مطلب کو بیان کر رہا ہے۔

آیات قرآنی کی تیسری قسم کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید کی زیادہ تر تعلیمات اور معارف اسی سے مختص ہیں انہیں وہ افراد سجھ سکتے ہیں جو ذوق سخن پاک و صاف ذہن اور وسیع القلب کے مالک ہوتے ہیں۔ (3)

---

* ۔ ایرانی اسکالر

اس الٰہی دستر خوان سے لوگ بہترین اور زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکیں اس مقصد کے لیے اہلبیت علیہم السلام نے ایک طرف تو لوگوں کو تفسیر بالرائے سے منع کیا ہے کیونکہ تفسیر بالرائے نہ فقط ہدایت نہیں کرتی جو کہ نقض غرض الٰہی ہے (کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ لوگ ہدایت پائیں) بلکہ یہ گمراہ کن اور انسان کو فریب اور دھوکے میں ڈال دیتی ہے۔ دوسری طرف ان خطرات اور نقصانات سے بھی ممکنہ حد تک اور مختلف الفاظ میں خبر دار کیا ہے جو آیات الٰہی کو سمجھنے میں انسان کے لیے رکاوٹ بن سکتے ہیں۔ ان دونوں چیزوں کو مقصد یہ تھا کہ قرآن مجید کی مناسب اور شائستہ تفسیر اور تشریح کی جائے کیونکہ قرآن کی تفسیر ان خطرات اور نقصانات کو مد نظر رکھے بغیر در حقیقت وہی تفسیر بالرائے ہی ہو گی۔

تفسیر بالرائے

تفسیر قرآن میں ہر چیز سے زیادہ جس بات سے اہلبیت علیہم السلام نے منع فرمایا ہے، وہ تفسیر بالرائے ہے۔ جس کا سرچشمہ انحرافی افکار، نفسانی خواہشات کی پیروی اور ذاتی رجحانات ہوتے ہیں۔ معصومین علیہم السلام کی آراء اور اقوال کو بیان کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ تفسیر بالرائے کا معنی ذکر کر دیا جائے۔

لفظ "رأی" کا معنی نظریہ، رائے اور اجتہاد ہے۔ (4) تفسیر بالرائے سے مراد کلام الٰہی کے معانی کی تشریح اور تفسیر اپنی رائے اور نظریے کے مطابق کرنا نہ کہ دوسرے مفسرین کی آراء اور نظریات کو مد نظر رکھنا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اپنے آپ کو مشقت اور سختی میں نہ ڈالے کہ مفرد الفاظ کے معانی میں حقیقت کو مجاز سے، مشترک معنوی کو مشترک لفظی سے تشخیص نہ کرے، مجاز عقلی، لفظ میں مجاز اور اسناد میں مجاز کو ایک دوسرے سے تفکیک نہ دے۔ معانی اور مفاہیم کی وسعت اور تنگی میں فرق نہ کرے نیز اسباب النزول اور قرائن کو مد نظر نہ رکھے، ناسخ و منسوخ، عام و خاص، محکم اور متشابہ۔ مطلق اور مفید علم حاصل نہ کرے اور آیات کے بارے میں منقولہ رویات جو کہ قرآن کی تأویلات اور پیچیدگیوں کو واضح کرتی ہیں، کی طرف توجہ کیے بغیر، تفسیر کے اصول و قواعد کا خیال رکھے بغیر اپنی رائے اور نظریے کو قرآن پر تحمیل اور تھوپ دے بلکہ اپنی مذہب اور عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے تفسیرے بالرائے کا سہارا لے۔

تفسیر بالرائے میں یہ چیز ممکن ہے دو طرح سے وقوع پذیر ہو۔

الف:۔ وہ معنی جو مفسر کی مراد ہو وہ فی حد ذاتہ صحیح ہو لیکن قرآن اس پر دلالت نہ کر رہا۔ پس یہاں پر استدلال میں غلطی ہوئی ہے نہ کہ مدلول میں۔

ب:۔ وہ معنی جو مفسر کی مراد ہو سرے سے ہی غلط اور باطل ہو اور قرآن کو اس باطل معنی پر عمل کرے جو کہ استدلال اور مدلول دونوں میں غلطی ہے۔ (5)

کشف الظنون میں کاتب حلبی نے تفسیر بالرائے کی پانچ قسمیں کی ہیں۔

1. ان علوم کے بغیر تفسیر کرنا جن سے تفسیر کے آلات کے طور پر استفادہ کرنا ضروری ہے۔
2. متشابہ آیات کی تفسیر جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی آگاہ نہیں ہے۔
3. اس طرح تفسیر کرنا کہ اس کے ذریعے کسی خاص مذہب مسلک اور عقیدہ کو ثابت کیا جائے۔
4. ایسی تفسیر جو اللہ تعالیٰ کی مراد کو بغیر دلیل کے قطعی طور پر بیان کرے۔
5. ایسی تفسیر جو ہوا و ہوس اور استحسان کے مطابق ہو۔ (6)

لیکن فیض کاشانی مرحوم نے اس مسئلے کو بڑے واضح انداز میں بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہاں بیان کیا جاتا ہے۔اس کی نظر میں ممنوعہ اور نہی شدہ تفسیر کی دو صورتیں ہیں

1. کسی چیز کے متعلق مفسر کی خاص رائے ہو اور وہ اپنے مدعا کے اثبات کے لیے اپنے رجحان اور نفسانی خواہش کے مطابق قرآن کی تفسیر کرے اس طرح سے کہ اگر اس کا وہ نظریہ نہ ہوتا تو وہ قرآن یوں معنی اور مطلب نہ نکالتا۔اس صورت کی مزید دو قسمیں ہیں۔

ایک مرتبہ وہ جانتا ہے کہ اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لیے قرآن سے یہ مطلب نکالنا،قرآنی آیت کا ہر گز مراد اور مقصود نہیں ہے۔

ایک مرتبہ وہ نہیں جانتا؛لیکن جب آیت کے معنی کے بارے میں متعدد احتمالات ہوں اور وہ اس معنی کو ترجیح دے جو اس کی رائے کے موافق ہو اور وہ آیت کی اُسی طرح تفسیر کرے چنانچہ اگر اس کا وہ خاص نظریہ نہ ہوتا تو آیت کے اس معنی کو کبھی ترجیح نہ دیتا۔

کبھی انسان کا مقصد اور ہدف صحیح ہوتا ہے اور اس کے لیے وہ قرآن سے دلیل ڈھونڈتا ہے اور قرآن کی آیت سے تمسک کرتا ہے جبکہ اُسے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کا مطلب کچھ اور ہے مثلاً ایک شخص چاہتا ہے کہ لوگ سحر خیز ہوں اور اس وقت استغفار کریں۔اس مقصد کے لیے وہ معصومین علیہم السلام کے اس کلام سے استفادہ کرتا ہے"تسحّروا فانَّ السحوَر برکة"

حالانکہ اُسے معلوم ہے کہ روایت میں "تسحّروا" سے مراد سحری کھانا ہے نہ کہ استغفار کے لیے سحر میں جاگنا ہے۔ باطنیہ مذہب کے پیروکار لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے اسی طریقہ کار استعمال کرتے ہیں۔

2. ممنوعہ تفسیر کے دوسری صورت یہ ہے کہ تفسیر قرآن میں عربی الفاظ کے ظاہری معنی پر ہی اکتفا کیا جائےاور غرائب القرآن یا الفاظ مبہمہ،مبدلہ اور دیگر قرآن کی خصوصیات مثلاًاقتصار،حذف،اظہار،تقدیم وتاخیر،ناسخ ومنسوخ،عام وخاص واخص۔غرائب اور محکم ومتشابہ جیسے مسائل کو حل کرنے اور واضح کرنے کے لیے اہلبیت علیہم السلام کی روایات کی طرف رجوع نہ کیاجائے۔جو شخص قرآن کی تفسیر کرنا چاہتا ہے جو اُسے صرف عربی الفاظ کے ظاہری معنی کو سمجھنے پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے ورنہ وہ بہت ساری غلطیوں کا ارتکاب کرتے ہوئے تفسیر بالرائے میں مبتلا ہو جائے گا۔(7)

معلوم ہے کہ یہ تمام اقسام تفسیرے بالرائے کی مصداق ہیں۔علامہ طباطبائی مرحوم تفسیر بالرائے کی حقیقت کو ایک اور طرح بیان کرتے ہیں۔(شاید یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کا بیان تمام اقوال کی جمع بندی ہے) وہ کہتے ہیں: ایسا عقیدہ اور نظریہ جو انسان انہی سعی و کوشش اور اجتہاد سے حاصل کرے یا پھر اپنی ہوا وہوس کی بنیاد پر بنائے تو اُسے رائے کہتے ہیں اور یہ جو روایات میں رائے کو ضمیر کی طرف مضاف کیا گیا ہے(مَنْ فسّر القرآن برأیه) یہ امر کی دلیل ہے کہ مفسر کو اپنی ذات اور قرآن کے علاوہ کلام عربی کی شناخت کے ذرائع کے بل بوتے پر کلام اللہ کو سمجھنے سے نہی کی گئی ہے۔آیات الہی اگرچہ ایک دوسرے سے جدا اور منفصل الفاظ ہیں لیکن اس کے باوجود آپس میں مربوط اور متصل کلام ہے۔ بعض آیات بعض دوسری آیات کی تشریح کرتی ہیں جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے۔بنابراین کلام الہی کو سمجھنے کا صحیح راستہ ایک موضوع سے مربوط تمام آیات کا مطالعہ اور ان میں تدبر ہے نہ کہ بعض آیات کا مطالعہ۔پس تفسیر بالرائے کے بارے میں روایات میں جس چیز سے منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان ان قواعد اور اصول کی بنا پر آیات قرآن کو نہ سمجھے اور نہ ان کا مطالعہ کرے جو دوسروں کے کلام کو سمجھنے کے لیے بروئے کار لاتا ہے۔(8)

ایک اور مقام پر وہ کہتے ہیں: تفسیر بالرائے کا لازمہ بغیر علم کے بات ہے چنانچہ حدیث نبویؐ "مَنْ قال فِی القرآن بغیر علم ملیتبوّء مقعدہ من النَّار "اسی امر کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ (9)

البتہ یہ بات بھی طبیعی ہے جس طرح علامہ مرحوم کے الفاظ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کی آیات کی اس کی دیگر آیات سے ہٹ کر تفسیر اور معنی نہیں کیا جاسکتا اور یہ اس کتاب کی ایک اور خصوصیت ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَنَّ الکتاب یُصدِّقُ بَعْضَہ بَعْضاً واَنَّہ لا اختلاف فیہ۔ فقال سبحانہ ولوکان من عندِ غیر اللہ لوجَدوا فیہ اختلافاً کثیراً۔ (10)

ترجمہ: "بے شک قرآن کا بعض دوسرے بعض کی تصدیق کرتا ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے چنانچہ ارشاد الہی ہے: اگر یہ قرآن غیر خدا کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت زیادہ اختلاف پائے۔"

حضرت علی علیہ السلام ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

ینطق بعضہ ببعض ویشھَدُ بعضہ علی بعض۔ (11)

ترجمہ: "قرآن کا بعض، دوسرے بعض کے ذریعے بولتا ہے اور اس کا بعض، بعض دوسرے پر گواہی دیتا ہے۔"

درج ذیل روایات قرآن کی آیات کے ایک دوسرے پر گواہ اور تصدیق کرنے کے مطلب کو اور زیادہ واضح انداز میں بیان کر رہی ہے۔ مروی ہے کہ امام جواد علیہ السلام نے سورہ مائدہ کی آیت 38 "والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھم" میں چور کے ہاتھ کاٹنے اور اس کی کیفیت کی تفسیر میں فرمایا:

"ہاتھ کو انگلیوں کی جڑوں سے قطع کیا جائے اور ہتھیلی کو باقی رکھا جائے"

جب آپؑ سے اس کی وجہ پوچھی کی گئی تو آپؑ نے رسول خدا ﷺ کے فرمان سے استدلال کیا جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

"سجدہ سات اعضاء کا زمین پر لگنے سے متحقق ہوتا ہے یعنی پیشانی، دونوں ہاتھ، دو زانو اور دو پاؤں کے انگوٹھے" پس اگر ہاتھ کلائی یا کہنی سے کاٹا جائے تو اس کے لیے ہاتھ ہی باقی نہیں بچتا جس کے ذریعے وہ سجدہ کرے جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاَنَّ المساجدَ لِلّٰہِ "۔ (جن۔ 17)

اور آیت مجیدہ میں مساجد سے مراد وہی سجدے کے سات اعضاء ہیں اور جو چیز بھی اللہ تعالیٰ کے لیے اُسے قطع نہیں ہونا چاہیے فرمایا: وما کان لِلّٰہِ لم یُقْطَع۔" (12)

پس اگر کسی نے قرآن کی ایک آیت کو سمجھا لیکن دوسری آیات کی طرف توجہ نہ کی یا ان کے سمجھنے سے محروم تھا وہ ہر گز پہلی آیت کے مفہوم اور معنی کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکا بلکہ اُس نے ایک کمزور مطلب آیت سے حاصل کیا ہے۔ قرآن کی آیت کریمہ مجموعی طور پر اور ایک دوسرے سے مربوط کرکے سمجھا جائیں تو ان سے واضح مفہوم اور جامع مطلب حاصل ہوتا ہے۔ بعض آیات جو ابتدائی نگاہ میں مبہم دکھائی دیتی ہیں دوسری آیات ان کو بھی واضح اور روشن کر دیتی ہیں۔ (13)

اس بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ دیگر آیات کے معانی اور تفسیر کو دیکھے بغیر بعض آیات کے ظاہری معانی پر اصرار کرنا انسان کو نہ صرف ان آیات کے معانی و مفاہیم نہیں سمجھاتا بلکہ یہ خود اس قسم کی تفسیر بالرائے ہے جس کی اہلبیت علیہم السلام کی متعدد روایات میں مذمت کی گئی ہے۔ مثلاً امام رضا علیہ السلام، رسول خدا ﷺ کے فرمان کو بیان کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے فرمایا:

ما آمن بی مَنْ فسّر برأیہ کلامی۔ (14)

ترجمہ: "جس کسی نے میرے کلام کی اپنے نظریے اور رائے کے مطابق تفسیر کی وہ مجھ پر ایمان نہیں لایا۔"

نیز حضرت علی علیہ السلام آئندہ کی پیشگوئی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"امام مہدی علیہ السلام خواہشات کو وحی کی ہدایت کے تابع قرار دیں گے جبکہ لوگ ہدایت کو اپنی ہوا و ہوس کے تابع قرار دیں گے اور جب لوگ اپنے مختلف نظریات اور خیالات کو تفسیر کے نام پر قرآن پر تحمیل کریں گے، وہ افکار اور نظریات کو قرآن کے تابع قرار دیں گے۔ (15)

جیسا کہ یہ بات عیاں اور ظاہر ہے کہ آپ کا لہجہ تفسیر بالرائے کی مذمت ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے ایک گروہ کے بارے میں پیشگوئی کرتے ہوئے بیان فرمایا:

۔۔۔۔۔۔کانَّھم ائمّۃ الکتاب ولیس الکتابُ اما مجھم فلم یبق عندھم منہ الا اسمہ ولا یعرفون اِلاَّ خطّہ وَزُبُرہ۔ (16)

ترجمہ: "گویا وہ قرآن کے پیشوا میں اور قرآن ان کا امام اور پیشوا نہیں ہے پس قرآن صرف نام کی حد تک ان کے پاس رہے گا اور وہ قرآن کے خط روشنائی کے علاوہ کچھ نہیں جانتے ہوں گے"

ظاہر ہے کہ جو قرآن کی تفسیر بالرائے کرے گا در حقیقت اس نے اپنی فکر اور رائے کو قرآن پر ترجیح دی ہے اور وہ اپنے آپ کو کتاب الٰہی کا امام اور پیشوا گردانتا ہے۔

امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا:

وانّما ھَلَکَ الناسُ فی المتشابِہِ لِاَنَّھم لم یَقِفُوا علی معناہ ولم یعرفوا حقیقتہ فوضعوا لہ تأویلات من عند اَنْفُسِھِم بآرائِھِم واستغنوا بذلك عن سالۃِ الاوصیاء ونبذوا قولَ رسولِ اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وراءَ ظُھورھم: (17)

اس روایت کے مطابق امام صادق علیہ السلام، آیات متشابہ کے بارے میں تفسیر بالرائے کو لوگوں کی ہلاکت کا باعث قرار دیتے ہیں اس طرح سے کہ وہ اس قسم کی آیات کی حقیقت کو نہیں سمجھتے اور ان کو سمجھنے کے لیے اوصیاء الٰہی سے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتے ہوئے اپنی طرف سے، اپنی رائے اور اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق آیات کا معنی اور تأویلات کرتے ہیں۔ ایسے افراد کی امام صادق علیہ السلام سرزنش اور مذمت کرتے ہیں۔ (18)

آیات قرآن کو آپس میں ملانا

متعدد روایات ایسی ہیں جو انسان کو "ضرب القرآن بعضہ بعض" یعنی آیات قرآن کو آپس میں خلط سلط کرنے سے منع کرتی ہیں۔ بطور مثال امام صادق علیہ السلام اپنے آباء واجداد سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ماضرب رجل القرآن بعضہ بعض الاّ کفر

ترجمہ: "کوئی شخص قرآن کے بعض کو بعض دوسرے سے مخلوط نہیں کرتا مگر یہ کہ وہ کافر ہو جاتا ہے۔"

یوں نظر آتا ہے کہ اس قسم کی روایات در حقیقت تفسیر بالرائے کے بعض مصادیق کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ فیض کاشانی مرحوم اپنی قابل قدر تفسیر کے مقدمے میں مذکورہ بالا روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: شاید "ضرب القرآن" سے مراد متشابہات قرآنی کی بعض کے ذریعے بعض کی تأویل اور تشریح ہو۔ اس طرح کہ اس تأویل اور تفسیر کو اہل قرآن سے سنے بغیر کیا گیا ہو اس میں نور الٰہی (جو اللہ تعالیٰ اُسے عطا کرتا ہے جو صلاحیت رکھتے ہوں) اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت سے استفادہ نہ کیا گیا ہو اور وہ صرف ہوا و ہوس اور نفسانی خواہشات کی بنیاد پر ہو۔ (19)

علامہ طباطبائی مرحوم نے بھی مذکورہ روایت جیسی رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث الدرالمنثور سے نقل کی ہے وہ بیان کرتے ہیں: جب آنحضرت ﷺ نے کچھ افراد کو قرآن کے متعلق بحث و مناظرہ کرتے ہوئے دیکھا تو غضب ناک حالت میں فرمایا: گذشتہ امتیں بھی جو گمراہ ہوئی ہیں اس کی وجہ بھی یہی اختلافات تھے جو وہ اپنے پیغمبروں سے کرتے تھے۔ بعض نے اپنی آسمانی کتاب کو آپس میں خلط سلط کر دیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: قرآن اس لیے نازل نہیں ہوا کہ اس کا ایک حصہ بعض دوسرے حصے کی تکذیب کرے بلکہ اس لیے نازل ہوا ہے کہ اس کا بعض، بعض دوسرے کی تصدیق کرے۔ پس جو تم نے پہچان لیا اس پر عمل کرو اور جو تمہارے لیے متشابہ ہے (واضح نہیں ہے) اس پر ایمان رکھو:

اس روایت کے بعد وہ بیان کرتے ہیں کہ اہلبیت علیہم السلام "ضرب القرآن بعضہ ببعض" والی روایات "آیات قرآنی ایک دوسرے کی نسبت تصدیق کرتی ہیں" والی روایات کے مدمقابل قرار پاتی ہیں اور "ضرب" کا مطلب قرآنی معانی کے مقامات کو آپس میں خلط کرنا اور ان کے اہداف و مقاصد کی ترتیب میں گڑبڑ کرنا ہے۔ مثال کے طور پر محکم کو متشابہ کی جگہ پر لیا جائے اور متشابہ کو محکم کا عنوان دیا جائے۔ (20)

اس بناء پر آیات کو آپس میں ملانے اور ان کے معانی کو مخلوط کرنے کی وجہ قرآن فہمی کے حوالے سے خطرات کی طرف توجہ نہ کرنا، فکری انحراف اور ذاتی رجحانات ہیں جو کہ خود ایک طرح کی تفسیر بالرائے ہے۔

فہم قرآن کے لیے خطرات

الف:۔روایات سے غفلت

قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے روایات کو نظر انداز کر دینا ایک سنجیدہ مشکل ہے کیونکہ قرآن مجید اور رسول اکرم ﷺ کی تاکیدات کی بناء پر ہی تو معصومین علیہم السلام کا قول فعل اور تقریر حجت ہیں۔ قرآن مجید کی آیات اِنّا انزلنا اِلیك الذکر لُتبین لِلنّاس مانُزّل اِلَیہِم (نحل: 44)† هُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ" (جمعہ۔2)‡ ؛ اَطِیْعُوااللّٰهَ وَاَطِیْعُو الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ" (نسا: 59)§ اور بہت ساری دیگر آیات اہلبیت علیہم السلام اور ان کے نورانی اقوال سے تمسّک کرنے کو واجب قرار دیتی ہیں نیز اس حوالے سے بہت ساری روایات بھی تاکید کرتی ہیں خاص طور پر عظیم اور بابرکت حدیث ثقلین ہے جس میں رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

اِنّی تارِكٌ فیکم الثّقلینِ کتابَ اللّٰهِ وعِترَتی ما اِنَ تمَسّکتُم بِهِما لَن تَضِلّوا اَبداً وَاِنّهما لَن یَفتَرِقا حتی یَرِدا عَلیّ الحَوض۔ (21)

علامہ طباطبائی کہتے ہیں اس حقیقت سے کہ قرآن روایات کے صحت و سقم کو جانچنے کا معیار ہے اور حدیث نبوی ﷺ "ماوافق کتاب اللہِ فخذوہ وما خالَفَہ فاترکوہ" سے بعض افراد خصوصاً مادی بحثوں میں غرق اور جدید مغربی تہذیب سے مرعوب افراد نے سوء استفادہ کیا ہے اور روایات میں آنے والے مطالب کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے اور تفریط کی راہ اپناتے ہوئے، محدثین، اخباریوں، طایفۂ حروریہ وغیرہ (جوہر روایت منقولہ کو جیسی بھی ہو، کی بناء پر قبول کرتے ہیں) کے مدمقابل آن کھڑے ہوئے ہیں۔ جبکہ ہم جانتے ہیں کہ جس طرح ہر حدیث کو بطور مطلق بغیر کسی قید و شرط کے قبول کرنا ان اصول اور معیارات کی تکذیب کرنا ہے جو حق کو باطل سے تمیز دینے کے معصومین علیہم السلام کے ذریعے بیان ہوئے ہیں۔ یہ بات خود قول باطل اور لغو بات کو رسول خدا ﷺ کی طرف نسبت دینے کا سبب بنتی ہے۔

---

† ۔(اے رسولؐ) آپ پر بھی ہم نے ذکر اس لیے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو وہ باتیں کھول کر بتادیں جو ان کے لیے نازل کی گئی ہیں۔

‡ ۔وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور انہی پاکیزہ کرتا ہے اور انہیں کتاب حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

§ ۔اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور تم میں سے جو صاحبان امر ہیں ان کی اطاعت کرو۔

اسی طرح سے اگر ان مقدس ہستیوں کے اقوال یکسر مسترد کر دیئے جائیں تو یہ امر ان روایت کی تکذیب بھی ہے اور مقدس کتاب قرآن کے مطالب کاابطال بھی ہے جس میں سامنے اور پیچھے سے کہیں سے بھی باطل داخل نہیں ہو سکتا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے:
"وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا" (حشر: 7)** دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ" (نساء: 64) کیونکہ اگر رسول اللہ ﷺ کا قول یا ان کا نقل شدہ فرمان یا آپؐ کے نائبین کا فرمان ہمارے لیے یا خود اُن کے اپنے دور میں حجت نہ ہو تو کوئی بھی مسئلہ حل نہیں ہوگا اور نظام اسلام بکھر جائے گا۔ جبکہ اخبار اور روایات پر انسان کا اعتماد ان امور میں سے ہے جسے قبول کرنا اجتماعی زندگی میں انسان کی مجبوری ہے کیونکہ یہ انسانی بدیہات اور فطریات میں سے ہے اور انسان اس سے کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ رہی یہ بات کہ دینی تعلیمات میں جعلی روایات بھی آئی ہیں یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو کسی خاص دین کے ساتھ مختص ہو کیونکہ انسانی زندگی کے تمام اجتماعی پہلو اور جہات روزانہ کی عمومی اور خصوصی خبروں کے گرد گھومتے ہیں جن میں ہر قسم کا جھوٹ، فریب اور اختلاط کثرت سے پایا جاتا ہے اور ان میں سیاسی شعبدہ بازوں کے ہاتھ زیادہ کھلے ہوتے ہیں۔
البتہ ہم اپنے فطری تقاضوں کے عین مطابق خبروں کے سننے پر فقط اکتفانہ کریں بلکہ ان میں سے ایک ایک کو متعلقہ معیارات اور کسوٹی پر پرکھیں پھر جو اس میزان اور معیار پر پوری اترتی ہوں انہیں قبول کریں بصورت دیگر انہیں رد کر دیں۔ اگر ہم واقعاً اس طریقے سے روایات کی صحت و سقم کو پرکھ سکیں تو پھر اس روایت کے بارے میں توقف کریں گے یعنی نہ ہی قبول کریں گے اور نہ ہی رد کریں گے اس کی وجہ بھی راہ احتیاط اختیار کرنا ہے کیونکہ جہاں ضرر کا احتمال ہو وہاں ہر انسان احتیاط کے راستے پر چلتا ہے۔ (22)
بہر حال اہلبیت علیہم السلام کی روایات کو نظر انداز کرنا قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے بہت بڑی مشکل اور رکاوٹ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت سارے موارد میں روایات سے تمسّک کیے بغیر آیات کا حقیقی مقصود اور مراد ہمارے لیے واضح نہیں ہو پائے گا مثلاً امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: ایک شخص پیغمبر اکرم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: میں رات کو مجنب ہو گیا تھا میرے پاس غسل کے لیے پانی نہیں تھا۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا: پس تو نے کیا کیا؟ اُس نے بتایا: میں مٹی پر لیٹ کر الٹ پلٹ ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: یہ تو گدھے کا کام ہے تحقیق اللہ تعالیٰ فرمایا ہے: "فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْداً طَيِّبًا" (نسا: 43) پھر آپ نے اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارا اور انہیں ایک دوسرے پر کھینچا پھر اپنے ہاتھوں کو اپنے پیشانی پر کھینچا اور پھر دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے کے ذریعے مسح کیا۔ (23)
سچی بات ہے اگر ہم امام باقر علیہ السلام کی اس حدیث کو ملاحظہ نہ کرتے تو مذکورہ آیت کا کس طرح معنی کرتے؟ شیخ طوسی مرحوم اس بارے میں کہتے ہیں: قرآن کے معانی کی چار قسمیں ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جن کا علم ذات باری تعالیٰ سے مخصوص ہے دوسروں کو ان میں کچھ کہنے کی مجال نہیں ہے کیونکہ وہ ان چیزوں کا علم ہی نہیں رکھتے: جیسے "يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ" (اعراف: 187) اور "اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ" (لقمان: 34)***

** ۔اور رسول جو تمہیں دے دیں وہ لے لو اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔
۔اور ہم نے جو بھی رسول بھیجا اس لیے بھیجا ہے کہ باذن خدا اس کی اطاعت کی جائے۔
۔تو پاک مٹی پر تیمّم کرو۔
۔یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ قیامت واقع ہونے کا وقت کب ہے؟ کہد یجیے: اس کا علم صرف میرے رب کے پاس ہے، قیامت کے وقت کو اللہ کے سوا کوئی ظاہر نہیں کر سکتا۔
*** ۔ قیامت کا علم یقیناً اللہ ہی کے پاس ہے۔

معانی قرآن کی دوسری قسم یہ ہے کہ جو بھی عربی زبان کو جانتا ہو وہ آسانی سے ان معانی کو سمجھ سکتا ہے جیسے قُلْ هُوَاللهُ اَحَدٌ (توحید:1) اور وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللهُ اِلَّا بِالْحقِّ (انعام:151)

تیسری قسم کے مطالب میں اجمال پایا جاتا ہے اور وہ اس طرح سے نہیں ہیں کہ مراد و مقصود کو تفصیل کے ساتھ بیان کریں۔ جیسے "اَقِيْمُوالصَّلٰوةَوَ آتُوالزَّكٰوةَ (بقرہ:43) وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا" (آل عمران:97)**** اور "آتُوحَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ" (انعام:141) ان امور میں، نمازوں کی تعداد اور ان کی رکعات کی تفصیل، حج اور اس کی شرائط کی تفصیل اور زکوۃ میں نصاب کی مقدار کے بارے میں معلومات کے لیے رسول اکرم ﷺ کے بیانات اور وحی الہی کی طرف رجوع کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ چوتھی قسم ایسے موارد پر مشتمل ہے جن میں قرآن کے الفاظ دو یا اس سے زیادہ معانی کے درمیان مشترک ہیں اور ہم حقیقی مراد کو تشخیص بھی نہیں دے سکتے۔ یہاں پر ہم یہ نہیں کہہ سکتے ان میں سے فلاں احتمال اللہ تعالیٰ کا مقصود اور مطلوب ہے بلکہ آیت کے معانی کی وضاحت کے لیے ہمیں نبی اکرم ﷺ یا آئمہ معصومین علیہم السلام کے اقوال سے متمسک ہونا پڑے گا۔ (24)

تفسیری روایات

علم اصول میں امر مسلم یہ ہے کہ خبر متواتر یا قرائن قطعیہ ملبوس اخبار اور قولِ معصوم علیہ السلام سے کاشف اجماع محقل حجت ہیں۔ لیکن یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اخبار آماد (خبر واحد) تمام امور (احکام اور معارف) میں حجت ہیں یا فقط احکام کے باب میں حجت ہیں؟

علامہ طباطبائی مرحوم کی طرح کے بعض علماء اس بات کے قائل ہیں کہ غیر قطعی خبر جسے اصطلاح میں خبر واحد کہتے ہیں اور جس کی حجیت کے بارے میں مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہے؛ سے استفادہ مفسر کے نظریے پر منحصر ہے۔ اہل سنت کے ہاں عام طور پر خبر واحد پر مطلقاً عمل کیا جاتا ہے جسے ان کی اصطلاح میں "صحیح" کہا جاتا ہے۔ شیعہ مکتبہ فکر میں اب تک علم اصول میں جو چیز مسلم ہے وہ یہ ہے کہ خبر واحد موثوق الصدور احکام شرعیہ میں حجت ہے لیکن اس کے علاوہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ (25)

البتہ جو چیز ہمیں سمجھ آتی ہے وہ یہ ہے کہ شارع مقدس نے ایسی خبر واحد کو ہمارے لیے بمنزلہ علم قرار دیا ہے جس میں حجیت کی شرائط پائی جاتی ہوں۔ چنانچہ یہ چیز اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ہم کہیں کہ اس طرح کی شرائط کی حامل اخبار احکام شرعیہ سے ہی مربوط اور متعلق ہوں تاکہ وہ حجت بن سکیں اور اگر تفسیر اور دیگر دینی تعلیمات سے متعلق ہوں تو حجت نہیں ہیں لہٰذا اس پر اپنے مقام پر بحث اور تحقیق ہونی چاہیے۔ (26)

پس آیات کی تفسیر کے موقع پر مربوط روایات کو مدنظر رکھنے کی ضرورت کسی سے پوشیدہ نہیں ہے بصورت دیگر روایات کو نظر انداز کرنے سے تفسیر بالرائے کا نتیجہ نکلے گا۔

قرآن کی خصوصیات سے غفلت (پس پشت ڈالنا)

۔کہہ دیجیے: وہ اللہ ایک ہے۔

۔اور جس جان کے قتل کو اللہ نے حرام کیا ہے اسے قتل نہ کرو ہاں مگر حق کے ساتھ۔

۔نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو۔

**** ۔اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ جو اس گھر تک جانے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس گھر کا حج کرے۔

۔ان کی فصل کاٹنے کے دن اس (اللہ) کا حق (غریبوں کو) ادا کرو۔

اہلبیت علیہم السلام کے نظریے کے مطابق قرآن مجید چند خصوصیات کا حامل ہے جن کی طرف توجہ کیے بغیر قرآن کی تفسیر اور فہم القرآن نیز آیات الٰہی کے مقصود اور مراد کو سمجھنا ناممکن ہے وہ خصوصیات، قرآن کا ظاہر و باطن ہونا، تأویل، ناسخ و منسوخ محکم و متشابہ وغیرہ سے عبارت ہیں۔ان خصوصیات کو مد نظر نہ رکھ کر قرآن کی تفسیر درحقیقت تفسیر بالرائے ہی ہو گی۔

۱۔قرآن کے ظاہر و باطن کو مد نظر نہ رکھنا

معصومین علیہم السلام کی روایات سے یوں مطلب نکلتا ہے کہ جس طرح قرآن مجید کے ظاہری معانی ہیں اسی طرح اس کے باطنی معانی بھی ہیں جنہیں عربی زبان کے الفاظ اور تمام تر قواعد واصول پر مہارت رکھنے کے باوجود دریافت نہیں کیا جاسکتا۔

جابر بن یزید بیان کرتے ہیں: میں نے قرآن کی ایک آیت کی تفسیر کے متعلق امام باقر علیہ السلام سے سوال کیا،انہوں نے جواب دیا۔ میں نے دوبارہ سوال کیا امام علیہ السلام نے ایک اور جواب دیا۔ میں نے عرض کیا۔ یا بنؑ رسولؐ اللہ! پہلے میں نے یہی سوال کیا تو آپؑ نے دوسری طرح جواب دیا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا:

یاجابر:اِنَّ للقرآنِ بَطناً ولِلبَنِ بطنٌ و ظهرٌ وللظُهرِ۔ یاجابر لیس شیءٌ اَبْعَدُ مِنْ عُقولِ الرِّجال مِن تفسیر القرآن۔اِنَّ الآیة یکون اوّ لها فی شیئ و آخرها فی شیئ وهو کلامٌ متصلٌ متصرفٌ علی وجوهٍ" (27)

اس روایت کے پیش نظر بعض افراد کا یہ خیال ہے کہ "قرآن کے ظاہر و باطن" کا مطلب بعض آیات کے مختلف پہلو اور جوانب کا ہونا ہے۔مثلاً ممکن ہے ایک آیت کے متعدد،اخلاقی،سیاسی اور معاشرتی پہلو ہوں۔(28) لیکن دیگر روایات کی روشنی میں اس طرح کا قول مخدوش معلوم ہوتا ہے۔

عبداللہ بن سنان،ذریح محاربی سے نقل کرتے ہیں کہ اس نے امام صادق علیہ السلام سے عرض کیا: میں آیت شریفہ "ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ (حج: 29)   کے معانی کو جاننا چاہتا ہوں۔ امام علیہ السلام نے اُسے فرمایا: "لیقضوتَفَثَهُم" سے مراد،امام سے ملاقات ہے (یعنی لوگ حج انجام دینے کے بعد امام کی خدمت میں حاضری دیں) اور "وَلْيُوفوانذورهم" کا معنی مناسک حج کو بجالانا ہے۔

عبداللہ بن سنان کہتے ہیں: میں بھی امام کی خدمت میں مشرف ہوا اور وہی باتیں پوچھیں۔آپؑ نے فرمایا: "اَخذُ الشارب وقصُّ الاظفار وما اشبه ذلك" یعنی مونچھیں اور ناخن کاٹنا اور اس طرح کی دیگر چیزیں۔ میں نے عرض کیا ذریح محارلی نے آپؑ سے وہ معنی نقل کیا ہے۔(یعنی امام سے ملاقات اور مناسک کی انجام دہی) آپؑ نے فرمایا:

صدق ذریح وصَدَقْتَ اِنَّ للقرآن ظاهراً وباطناً ومن یحتمل مایحتمل ذریح؟" (29)

ترجمہ: "ذریح نے بھی سچ کہا ہے اور تو وہ سچا ہے۔بے شک قرآن کا ظاہر بھی اور باطن بھی اور کون تحمل کرتا ہے جو ذریح نے کیا؟"

اس روایت سے اچھی طرح ثابت ہوتا ہے کہ جو کچھ امام علیہ السلام نے عبداللہ بن سنان کے جواب میں فرمایا وہ ظاہر قرآن سے مربوط تھا اور جو مطلب ذریح کے سوال کے جواب پر بیان فرمایا،اس کا تعلق باطن قرآن سے تھامثلاً آپ نے "لیقضوا تفثهم" کا مطلب "امام سے ملاقات" ذکر کیا اور آیات قرآن سے ہر کوئی اس طرح کا معانی اخذ نہیں کر سکتا۔اس طرح کے فہم کا اہل بیت علیہم السلام کے حیات بخش مکتب سے الہام لیے بغیر دعویٰ کرنا، تفسیر بالرائے ہے۔

ایک اور مقام پر "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ" (حمد: 6)   کی تفسیر میں حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

۔پھر وہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں۔

هوامیر المومنین علیه السلام ومعرفتُه والدلیلُ علی انَّه امیر المومنین قولُه عزّوجلَّ :وَاَنَّه فی اُمّ الکتاب لدینا لعلیّ حکیم وھو امیر المومنین (علیه السلام) فی اُمّ الکتاب فی قوله تعالیٰ "اهدنا الصراط المستقیم"(30)

صراط مستقیم امیر المومنینؑ اور ان کی معرفت ہے اور اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت وَاَنَّه فی ام الکتاب لدینا لعلی حکیم" اور ام الکتاب میں امیر المومنین اهدنا الصراط المستقیم ہیں۔

پس اگر ہم آیت کے ظاہر کو دیکھیں تو جس طرح مفسرین نے کہا ہے اللہ کی ضمیر قرآن کی طرف لوٹ رہی ہے اور ام الکتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ لیکن روایت میں امامؑ نے اللہ کی ضمیر کو حضرت علی علیہ السلام کی طرف لوٹایا ہے اور ام الکتاب کی تفسیر سورہ حمد سے کی ہے اور فرمایا "اهدنا الصراط المستقیم" اس میں قرار پائی ہے اس بنیاد پر انہوں نے اس آیت کو اس بات پر دلیل قرار دیا ہے کہ صراط مستقیم امیر المومنین علیہ السلام ہیں۔(31)

۲۔قرآن میں جری وانطباق سے غفلت

فہم قرآن میں ایک اور مشکل اور رکاوٹ آیات الٰہی کے جری وانطباق سے عدم توجہ ہے۔ جری وانطباق کا مطلب یہ ہے کہ آیات الٰہی صرف کسی خاص دور اور زمانے کے خاص لوگوں کے لیے نازل نہیں ہوئیں بلکہ یہ الٰہی کتاب تا قیامت انسانیت کی سعادت ابدی کی طرف راہنمائی کرتی رہے گی ۔قرآن خود فرماتا ہے۔

تبارك الذی نَزَّل الفرقان علی عبده لیکون للعالمین نزیراً (فرقان: 1)

ترجمہ: "پس قرآن کی آیات ،اس کے احکام اور تعلیمات ہر زمانے میں قابل تطبیق ہیں۔"

علامہ طباطبائی لکھتے ہیں کہ چونکہ قرآن ایک ابدی اور تمام انسانوں کے لیے کتاب ہے۔اس دلیل کی بناء پر غائیب میں حاضر کی طرح جاری وساری ہے اور ماضی اور مستقل میں حال کی طرح منطبق ہوتی ہے۔مثال کے طور پر وہ آیات جو زمانہ نزول میں خاص صور تحال اور شرائط میں مومنین پر کچھ فرائض اور ذمہ داریاں عائد کرتی ہیں۔نزول قرآن کے دور کے بعد والے مومنین پر انہی شرائط کے ساتھ بغیر کمی وبیشی کے وہی فرائض لاگو ہوتے ہیں۔وہ آیات جو بعض صفات کے حامل افراد کی مدح وتعریف یا مذمت وسرزنش کرتی ہیں یا بشارت دیتی ہیں یا ڈرتی ہیں وہ ان صفات سے متفق ہر دور اور ہر زمانے اور ہر علاقے کے لوگوں کو شامل ہیں۔

بناء برایں کسی آیت کا نشان نزول یا سبب نزول اس آیت کا ہر گز مخصص نہیں ہوگا یعنی وہ آیت جو کسی خاص شخص یا اشخاص کے بارے میں نازل ہوئی ہے وہ اسی میں منحصر نہیں رہے گی بلکہ ہر اُس مورد(موقع) میں سرایت کرے گی جو صفات اور خصوصیات میں آیت کے سبب نزول میں شریک ہوگا اور یہ وہی امر ہے جیسے روایات میں "جری" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔(32)

اہل بیت علیہم السلام نے بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام ایک روایت میں فرماتے ہیں:

"۔۔۔ولواَنَّ الآیة اذا نُزِّلَتْ فِی قوم ثُمَّ مات اولئك القوم ماتَتْ الآیةُ بَقِیَ من القرآن شیئ ولکنَّ القُرآن یَجْرِیْ اَوّلُه علی آخره مادامت السموات والارض ولِکُلِّ قوم ایة یتلونها هم منها مِن خیرا وشرّ"(33)

۔ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت فرما۔

یعنی "اگرایک آیت کسی قوم یا گروہ کے بارے میں نازل ہو پھر وہ قوم یا گروہ مر جائے تو آیت بھی مر جائے گی اور اس طرح قرآن میں سے کچھ باقی نہیں بچے گا۔ لیکن قرآن اوّل سے لے کر آخر تک جاری وساری ہے جب تک زمین وآسمان قائم ہیں۔ ہر قوم کے اچھے اور بُروں کے لیے آیت ہے جس کی وہ تلاوت کرتے ہیں۔"

یہ حدیث مسئلہ جری کو اچھے انداز سے واضح کررہی ہے۔ روایت کے مطابق اگر آیت ایک قوم کے بارے میں نازل ہوئی جب وہ قوم مر گئی تو ان سے مربوط آیت بھی فوت ہو جائے گی اس طرح سے تو قرآن باقی نہیں رہے گا حالانکہ قرآن زندہ جاوید ہے، جب تک زمین وآسمان قائم ہیں، قرآن باقی رہے گا۔ ہر قوم کے لیے آیت ہوگی جس کی وہ تلاوت کرتے ہیں یا وہ خیر وخوبی کا استفادہ کرے گی یا پھر اُس سے شر کا حصہ پائے گی۔ ایک اور روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام قرآن کے متعلق فرماتے ہیں:

"۔۔۔۔۔یجری کما یجری الشمسُ والمر" (34)

پس اس بات پر اصرار کرنا کہ آیات اپنے زمانہ نزول سے مربوط ہیں اور سبب نزول مخصص ہے، یہ نہ صرف فہم القرآن میں رکاوٹ اور مشکل ہے بلکہ ایک طرح کی تفسیر بالرائے ہے۔

البتہ اس نکتے کی یاد دہانی بھی ضروری ہے کہ انسان فہم القرآن میں اس اہم بات سے غافل نہ رہے اور آیات کے مصادیق جو روایات میں بیان ہوئے ہیں انہیں بعنوان تأویل یا باطن قرآن حساب کرے۔ بطور مثال اس آیت "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ وَكُونُواْ مَعَ الصَّادِقِينَ" (توبہ: 119)***** کے حوالے سے روایات نقل ہوئی ہیں کہ صادقین سے مراد حضرت علی علیہ السلام اور اہل بیت علیہم السلام ہیں (35) یا پھر سورہ زمر کی آیت نمبر 9 قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُوْلُوا الْأَلْبَابِ۔ (زمر: 9) کے بارے میں جابر جعفی نے امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے انہوں نے فرمایا: "والّذِین یعلمون" ہم اہل بیتؑ ہیں اور "الذین لایعلمون" سے مراد ہمارے دشمن "اولوالالباب" سے مراد ہمارے شیعہ ہیں (36)

پس اس طرح کی احادیث مصداق کو بیان کرتی ہیں یہ تأویل اور باطن قرآن نہیں ہے۔

۳۔ قرآن کا تأویل رکھنے سے غفلت (لاپرواہی)

قرآن کی ایک اور خصوصیت اس کا تأویل رکھنا ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس کی طرف خود قرآن نے اشارہ کیا ہے۔ (37) اور اہل بیت علیہم السلام کی روایات نے بھی متوجہ کیا ہے۔ (38) رہی یہ بات کہ تأویل قرآن کی حقیقت کیا ہے؟ اس سے مراد وہی تفسیر ہے یا ہر آیات کے ظاہری معانی کے برخلاف معنی یا دیگر معانی مراد ہیں، اس بارے میں مفسرین کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتا ہے جس پر بحث وگفتگو اس مقالے کے بس کی بات نہیں ہے۔

علامہ طباطبائی بیان کرتے ہیں: ہر چیز کی تأویل وہ حقیقت ہے جو اس چیز کا سرچشمہ ہوتی ہے اور وہ چیز ایک طرح سے اُسے تحقیق بخشتی ہے، اس کی حامل اور اس کی نشانی ہوتی ہے۔ یہی مطلب قرآن پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ مقدس کتاب حقائق اور معنویات کے ایک مجموعے سے سرچشمہ لیتی ہے جو مادہ اور جسمانیت کی قیود سے آزاد، حواس اور محسوسات کی دنیا سے ماوراء اور الفاظ وعبارات جو کہ مادی زندگی کا ماحصل سے کہیں وسیع تر اور بالاتر ہے۔

***** ۔اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

۔ کہہ دیجئے: کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے یکساں ہو سکتے ہیں؟ بے شک نصیحت تو صرف عقل والے ہی قبول کرتے ہیں۔

درحقیقت یہ حقائق اور معنوی وروحانی باتیں الفاظ کے قالب میں نہیں سما سکتیں۔عالم غیب اور عالم بالانے صرف یہ کام کیا ہے کہ ان الفاظ کے ذریعے عالم بشر کو خبر دار اور آگاہ کیا ہے کہ وہ اپنے ظاہری اعتقادات حقّہ اور اعمال صالحہ کے ساتھ اپنے آپ ایسی سعادت کے ادراک کے قابل بنائیں جس کے مشاہدے اور ادارک کے لیے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔ قیامت اور اللہ سے ملاقات کے دن یہ حقائق مکمل طور پر واضح اور روشن ہوں گے۔(39)

وہ روایات جو قرآن کے لیے تأویل پر دلالت کرتی ہیں ان میں ایک روایت ابو عبیدہ نقل کرتے ہیں: وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آیت "الٓمّٓOغُلِبَتِ الرُّوْمُOفِي أَدْنَى الْأَرْضِO" (روم: 3,2,1) کے متعلق امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا تو انہوں نے جواب میں فرمایا:

انّ لهذا تأويلا لا يعلمّه الا الله والراسيخون في العلم مِنَ الائمّة (عليهم السلام) (40)

پھر آپؑ ہی سورہ آل عمران کی آیت 7 کے حوالے سے روایت میں فرماتے ہیں:

نحن الراسخون في العلم ونحنُ نعلمُ تأويلَهُ" (41)

اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن تأویل رکھتا ہے۔اسی طرح بعض روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تأویل قرآن کو اہلبیت علیہم السلام سے حاصل کرنا چاہیئے۔ مثلاً ایک حدیث میں امام حسن عسکری علیہ السلام قرآن سے متمسک اس شخص کو گردانتے ہیں جو تأویل قرآن کو اہلبیت علیہم السلام سے اخذ کرے نہ کہ مجادلہ ومناظرہ کرنے والوں اور فاسقوں سے۔قال عليه السلام: "أتدرونَ مِنَ المتمسك به الّذين له بتمسّكه هذا الشرف العظيم؟هوالّذى أخذالقرآن و تأويله عنّا اهل البيت عن وسائطنا السفرّاء عنّا الى شيعتنا لاعن آراء المعادلين وقياس الفاسقين"۔(42)

پس اس روایت کے مطابق جو قرآن کو سمجھنا چاہتا ہے اُسے چاہیے کہ وہ تأویل قرآن کو اہلبیت علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کی طرف ان کے سفیروں سے دریافت کرے۔ کیونکہ قرآن کریم،اللہ کی رسی ہے جو عرش الٰہی سے لٹکی ہوئی ہے اور نزول کے مرحلہ میں "لسان عربی مبین" تک پہنچی ہے تاکہ سب لوگ قرن کی تلاوت کرنے یا سننے کے بعد، غور وفکر اور تدبر کے ساتھ اس سے بہرہ مند ہوں اور قرآن کے ساتھ معنوی عروج حاصل کریں۔ارشاد الٰہی ہے؛

حٰمٓO وَالْكِتَابِ الْمُبِيْنِO إِنَّا جَعَلْنٰاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (زخرف: 1-3)

قرآن کریم کے درجات ہیں اس کے بعض بلند درجے اور مراتب اہل فکر ونظر کی دسترس میں نہیں ہیں کیونکہ یہ درجہ مفہوم وماہیت اور تصور وتصدیق سے ماوراء ہے یہ درجات عام بشر کی فکر سے قابل دریافت نہیں،مگر یہ کہ خود انسان پرواز کرے اور اس بلند وبالا مقام تک جا پہنچے اور قرآن کی حقیقت کو اس بلند مقام سے پالے۔(43)

۴۔قرآن میں ناسخ ومنسوخ سے بے توجہی

"ایثار اور زہد" کے بارے میں صوفیوں سے بحث واستدلال کے موقع پر امام صادق علیہ السلام نے انہیں فرمایا:

۔الف،لام، میم۔رومی مغلوب ہوگئے۔قریبی ملک میں۔

۔حا، میم۔اس روشن کتاب کی قسم۔ہم نے اس (قرآن) کو عربی قرآن بنایا ہے تاکہ تم سمجھ لو۔

"اَلَکم علمٌ بِنَا سخِ القرآن ومنسوخِه و مُحکَمِہٖ ومتشابِھِہٖ الّذِی فی مثله ضلَّ وھلك مِنْ ھذہ الامّة؟۔۔۔۔فبئسَ ما ذھبتم الیه وحمّلتُم النّاسَ علیه من الجَھْلِ بکتابِ اللہِ وسنّة بنبیّه (صلی اللہ علیه و آله)واحادیثه الّتی یُصدّقُھا الکتابُ ... مُحکمه من متشابه"۔ (44)

جیسا کہ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے کہ اس روایت میں امام صادق علیہ السلام نے قرآن کی بعض خصوصیات خاص طور پر ناسخ و منسوخ کا تین مرتبہ ذکر کیا ہے اور وہ سرزنش اور ملامت کے انداز میں کہ کیوں ناسخ و منسوخ جیسی خصوصیات کے علم کے بغیر قرآن کی تفسیر کرتے ہو؟!

مذکورہ روایت اور اس جیسی متعدد روایتوں سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ناسخ و منسوخ آیات سے غفلت اور عدم توجہ آیاتِ الٰہی کے فہم اور سمجھنے میں اہم مانع اور رکاوٹ ہے۔

"نسخ" یعنی ایسا امر جو شریعت مقدس میں ثابت ہو اور اس کی مدت ختم ہونے پر اُسے اٹھا لیا جائے۔ واضح ہے کہ اس طرح کے محدود اور موقت احکام حکمت الٰہی کے مطابق وضع ہوتے ہیں اور لوگوں کا بھی فریضہ ہوتا ہے کہ وہ ان پر عمل کریں۔ (45) مثلاً جب لوگ آنحضرت ﷺ کے ارد گرد آپؐ سے بہت زیادہ سرگوشیاں کرتے تھے (46) تو آپؐ اُن کے دیر تک بیٹھنے اور سرگوشیاں کرنے سے ناراحت ہوئے تو اس موقعہ پر حق تعالیٰ کی طرف سے آیت نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ذَٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ (مجادلہ: 12) صدق اللہ العظیم صدق اللہ العظیم صدق اللہ العظیم صدق اللہ العظیم صدق اللہ العظیم صدق اللہ العظیم

البتہ اس دوران فقط حضرت علی علیہ السلام تھے جو صدقہ دے کر حضور اکرم ﷺ سے نجوا کرتے تھے پھر کچھ عرصے بعد دوسری آیت نازل ہوئی اور اس نے اس حکم کو منسوخ کر دیا: ارشاد رب العزت ہوا:

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَىْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ (مجادلہ: 13)

طبری نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے حوالے سے اس حکم کے منسوخ ہونے پر متعدد احادیث نقل کی ہیں، روایت بیان کرتی ہیں کہ صرف علی علیہ السلام نے اس آیت کریمہ پر عمل کیا۔

عن مجاھد قال علی علیه السلام: آیةٌ من کتاب اللہ لم یُعْمل بھا احدٌ قبلی ولا یُعملُ بھا احدٌ بعدی وکان عندی دینارٌ فصرفته بِعشرةِ دراھم فکنت اذا جئت اِلیَ النبی (صلی اللہ علیه و آله) تصدَّقتُ بدرھم فَنُسِخَتْ فلم یَعمل بھا احدٌ قبلی: یا ایھا الّذین آمنوا اذا ناجیتم الرسولَ فقدّموبین یدی نجواکم صدقۃً۔" (47)

البتہ اصل میں نجوا (سرگوشی) بذاتِ خود واجب نہ تھا، یہ لوگ تھے جو مال ذخیرہ کرنے، صدقہ دینے اور پیغمبر اکرم ﷺ سے نجوا کرنے سے زیادہ اہمیت کے قائل تھے لیکن امیر المومنین علی علیہ السلام کے نزدیک رسول خدا ﷺ سے راز و نیاز کی اتنی اہمیت تھی کہ وہ صدقہ دے کر بھی آنحضرت ﷺ سے نجوا کے لیے آمادہ تھے۔ اس طریقے سے اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؑ کے فضائل کو آشکار کیا۔ (48)

****** ۔اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو، یہ بات تمہارے لیے بہتر اور زیادہ پاکیزہ ہے، ہاں اگر صدقہ دینے کے لیے کچھ نہ پاؤ تو اللہ یقیناً بڑا بخشنے والا، مہربان ہے۔

۔کیا تم اپنی سرگوشیوں سے پہلے صدقہ دینے سے ڈر گئے ہو؟ اب جب تم نے ایسا نہیں کیا اور اللہ نے تمہیں معاف کر دیا۔

بہر حال یہ کس طرح ممکن ہے کہ انسان ناسخ و منسوخ کا علم نہ رکھتا ہو اور وہ قرآن کی تفسیر کرنے لگ جائے؟رہی یہ بات کہ قرآن کی کتنی آیات دیگر آیات کے ذریعے منسوخ ہوئی ہیں ان کی تعداد کے بارے میں اختلاف نظریا پایا جاتا ہے(49)البتہ اس بات میں کوئی شک وتردید نہیں ہے کہ اس قسم کی آیات ایک محدود وقت کے لیے تھیں،اس میں حکمت الہی کارفرما تھی یا امتحان درکار تھا یا دیگر احکام فرائض کو دریافت کرنے کے آمادگی مقصود تھی یا پھر کوئی دیگر مصلحتیں تھیں جو ہمیں معلوم نہیں۔ نیز اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اہلبیت علیہم السلام کی روایات کی روشنی میں فہم القرآن کے طالب اور ایک مفسر کو ان آیات کی طرف ضرور توجہ دینے کی ضرورت ہے اور ان سے لاپرواہی آیات قرآنی کے فہم کے عنوان سے بڑی آفت ہے اور ایک اور قسم کی تفسیر بالرائے ہے۔

۵۔قرآن میں محکم ومتشابہ کی موجودگی سے بے اعتنائی

جس طرح قرآن مجید خود اس بات کو کھل کر بیان کرتا ہے کہ اس میں محکم آیات ہیں اور متشابہ آیات بھی"هُوَ الَّذِی أَنزَلَ عَلَیْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آیَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِینَ فِی قُلُوبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ " (آل عمران: 7) اسی طرح اہلبیت علیہم السلام کی روایات بھی اس بارے میں خبردار کرتی ہیں کہ مبادا محکمات ومتشابہات کے علم کے بغیر قرآن کی تفسیر کی جائے، کیونکہ قرآن کی اس خصوصیت یعنی محکم ومتشابہ کے وجود سے غافل ہونا فہم قرآن کے لیے بڑی رکاوٹ ہے۔البتہ توجہ رہے کہ "متشابہ"کا معنی آیات قرآنی کا بے معنی ہونا نہیں۔

اس بارے میں علامہ طباطبائی اظہار فرماتے ہیں: محکم اور متشابہ کے معانی کے متعلق علماء اسلام کے درمیان عجیب اختلاف موجود ہے۔اِن اقوال میں چھان بین سے پتہ چلتا ہے کہ تقریباً بیس(20) قول اِس مسئلے میں پائے جاتے ہیں۔(50)

ایک اور مقام پر وہ کہتے ہیں:آئمہ اہلبیت علیہم السلام کے مختلف بیانات سے جو چیز حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں متشابہ ایک ایسی آیت کے معنی ہیں جس کا حقیقی مدلول کس طرح سے بھی معلوم نہ ہو، موجود نہیں ہے بلکہ متشابہ کا معنی ایک ایسی آیت ہے جس کا حقیقی مدلول بذات خود اور مستقل طور پر اگرچہ معلوم نہ ہو لیکن دیگر آیات کی مدد سے اس کے حقیقی مدلول تک رسائی حاصل ہو سکتی ہےاور یہ وہی متشابہ کو محکم کی طرف پلٹانے والی بات ہے۔(51)

نیز امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا:

مَنْ ردّ متشابه القرآن الی محکمه هُدِیَ الی صراط مستقیم" ثم قال: "اِنَّ فی اخبارنا متشابها کَمتشابه القرآن فَرُدُّوا متشابهها الی محکمها ولاتتّبِعوا متشابهها فتخلّوا۔(52)

یہ روایت بھی متشابہات قرآنی کو محکمات کی طرف پلٹانے پر خوب دلالت کرہی ہے نیز قرآن میں اس خصوصیت سے عدم آگاہی اور متشابہات کو محکمات کی طرف پلٹائے بغیر آیات الہی کو سمجھنا ممکن نہیں ہوگا، بھی روایت سے ثابت ہوتا ہے۔

مذکورہ روایت سے ایک اور نکتہ بھی سامنے آتا ہے کہ قرآن کی طرح اہلبیت علیہم السلام کی روایات میں محکم ومتشابہ موجود ہیں لہٰذا ان کے متشابہات کو بھی محکمات کی طرف پلٹانے کی ضرورت ہے۔"متشابہ" سے مراد کیا ہے؟روایات اس سوال کا جواب خوب دیتی ہیں مثلاً جب یہی سوال حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

۔وہی ذات ہے جس نے آپ پر وہ کتاب نازل فرمائی جس کی بعض آیات محکم(واضح) ہیں وہی اصل کتاب ہیں اور کچھ متشابہ ہیں، جن کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ کی تلاش میں متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔

واماالمتشابه من القرآن فهو الّذی انحرف منه متفق اللفظ مختلفُ المعنی مثل قوله عزّوجلّ "یُضلُّ اللہ من یشاءُ ویهدی من یشاءُ"فنسب الضلالةَ الی نفسه فی هذا الموضوع وهذا ضلالُهم عن طریق الجنّةِ بِفِعْلِهم ونسبه الی الکفار فی موضع آخر ونسبه الی الا صنام فی آیة اخری فمعنی الضلالة علی وجوه فمنه ماهو معبودٌ وعنه ماهومذموم ومنه ما لیس بمحمود ولا مذموم۔(53)

جیسا کہ نظر آتا ہے کہ حضرت علیؑ نے "متشابہ"ایسے لفظ کو کہا ہے جس کے مختلف معانی ہوں جیسے "یُضِلُّ اللّٰہُ مَن یَشَاءُ وَیَہْدِی مَن یَشَاءُ "(ابراہیم: 4) یہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اضلال یعنی گمراہ کرنے کو اپنی طرف نسبت دی ہے جبکہ اس سے مراد ان کے غلط اعمال کی وجہ بہشت سے گمراہ کرنا ہے نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شروع سے ہی گمراہ کیا ہے۔ اضلال کئی جگہوں پر ذکر ہوا ہے اور جیسا کہ روایت نے بھی بیان کیا ہے اس کی متعدد اقسام ہیں،ان میں سے بعض قابل تعریف ہیں اور بعض دیگر قابل مذمت اور تیسری قسم نہ قابل تعریف اور نہ قابل مذمت۔ اس کے بعد روایت نے تفصیل سے انہیں بیان کیا ہے کہ قرآن کے محکمات اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا "وَمَا كَانَ اللّٰہُ لِیُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّى يُبَيِّنَ لَهُم مَّا يَتَّقُونَ" (توبہ: 115)*******کی روشنی میں ضروری ہے کہ متشابہات قرآنی میں معنی کے لحاظ سے تصرف کیا جائے جس طرح حضرت امیر المومنینؑ نے مذکورہ مورد میں اضلال الٰہی کے معنی میں تصرف کیا ہے۔

اس طرح ایک روایت میں ہم پڑھتے ہیں کہ ایک شخص نے قرآن کی آیات میں تضادات پائے جانے کا دعویٰ کیا تو ان کے بارے میں حضرت علیؑ سے سوال ہوا تو آپؑ نے اُسے جواب دیا جن نکات کی طرف آپؑ نے اشارہ فرمایا ان میں سے ایک سورہ قیامت کی آیت 22اور 23کے متعلق تھا جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربها ناظرۃٌ "اور سورہ انعام کی آیت 103 "لاتدرکه الابصار وهویدرك الابصار"کے بارے میں تھااور وہ یہ تھا کہ یہ آیت شریفہ اس مقام سے مربوط ہے جب اولیاء اللہ حساب وکتاب سے فارغ ہو کر ایک نہر جس کا نام "رضوان"پر پہنچیں گے تو اس نہر سے سیراب بھی ہوں گے اور اس میں غسل بھی کریں گے اس کے بعد ان کے چہرے تروتازہ،خوش وخرم اور نورانی ہو جائیں گے اور پانی کے ذریعے ہر قسم کی پلیدی ونجاست برطرف ہو جائے گی اس موقعہ پر انہیں حکم ہوگا کہ بہشت میں داخل ہو جائیں۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں وہ اپنے ربّ کی طرف متوجہ ہوں گے کہ وہ کس طرح انہیں جزا دیتا ہے:

فمن هذا المقام ینظرون الی ربهم کیف یثیبهم ومنه یدخلون الجنَّةَ فذلِك قولُ اللهِ عزّوجلَّ فی تسیلم الملائکةِ علیهم : "سلامٌ علیکم طبتم فادخلوها خالدین"(54)فعندلك اَیْقَنُوا بِدخول الجَنَّةَ والنظرِ الی وعدَهم ربُّهمن فذلك قوله:اِلٰی ربّها ناظرۃٌ "وانّما یعنی بالنظرالیه النظرُاِلی ثوابه وامّاقوله"لاتدرکه الابصار وهویدرك الابصار "فهو کماقال لاتدرکه ولاتحیط به الاوهام و هو یدرك الابصار یعنی یُحیط بها۔(55)

اس روایت میں اگرچہ امام علیہ السلام نے واضح انداز سے نہیں فرمایا کہ لفظ"ناظرۃ"متشابہات میں سے ہے اور اسے قرآن کے محکمات کی طرف پلٹانا چاہیئے لیکن واضح ہے کہ تناقص یا تضاد کے ابہام کو دور کرنے کیے لیے آیت محکمہ "لاتدرکه الابصار"میں آپؑ نے کوئی تصرف نہیں کیا لیکن آیت۔۔۔"الی ربّها ناظرۃ"میں تصرف کیا ہے۔لفظ ناظرہ کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک اللہ تعالیٰ کو دیکھنا اور دوسرا رحمت الٰہی کی طرف دیکھنا یا منتظر ہونا،آپؑ نے آیت کا دوسرا معنی اخذ کیا ہے۔

۔اس کے بعد اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

*******۔اور اللہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ نہیں کرتا یہاں تک کہ ان پر یہ واضح کردے کہ انہیں کن چیزوں سے بچنا ہے۔

بہر صورت قرآن اور احادیث دونوں سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کے محکمات و متشابہات پر توجہ کیے بغیر، مکتب اہلبیت سے متشابہات کی تاویل میں الہام لیے بغیر اور محکمات کی طرف انہیں پلٹائے بغیر تفسیر کرنا تفسیر بالرائے کے واضح ترین مصادیق میں سے ہے۔(جو کہ تفسیر بالرائے کی گفتگو میں بعض مربوط روایات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے)اور اِسی زوایہ نگاہ سے امام صادق علیہ السلام نے صوفیوں کے ساتھ بحث میں تین مرتبہ ناسخ و منسوخ اور محکم و متشابہ کے مسئلہ کو ذکر کیا ہے اور ان کی سرزنش فرمائی کہ وہ قرآن کی ان خصوصیات کا علم حاصل کیے بغیر کس طرح قرآن کی تفسیر کرتے ہیں؟(56)

٦۔قرآن میں مختلف وجوہ اور نظایر سے غفلت

قرآن میں ایسے کلمات اور الفاظ موجود ہیں جو کئی طرح سے استعمال ہوئے ہیں لہٰذا آیات قرآنی کو سمجھنے کی خواہش رکھنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ غور وفکر کرکے ایک لفظ کے لیے جتنے متعدد معانی ممکن ہو سکتے ہیں انہیں مد نظر رکھے علامہ سیوطی نے اپنی کتاب "الاتقان"میں "وجوہ"کی متعدد مثالیں ذکر کی ہیں ان میں سے ایک لفظ"رحمت"ہے جو متعدد موارد میں استعمال ہوا ہے جیسے اسلام،ایمان، بہشت، بارش، نعمت نبوت،قرآن،رزق، فتح وکامیابی،عافیت، مودّت،امور میں کشادگی، مغفرت اور حفاظت ونگہداری۔(57)اس بناء پر الفاظ کے گوناگوں معانی سے غفلت فہم قرآن کے لیے بڑی مشکل ہے اس لیے اہلبیت علیہم السلام نے اس طرف توجہ دلائی ہے تاکہ اس چیز سے غفلت کاارتکاب نہ ہو۔

مثال کے طور پر حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ابن عباس کو خوارج کے پاس بھیجا تاکہ ان سے بحث اور مذکرات کرے۔ابن عباس نے عرض کیا یاامیر المومنین !کتاب الٰہی کے متعلق میں ان سے زیادہ جانتا ہوں کیونکہ قرآن ہمارے گھروں میں آیا ہے۔آپؑ نے جواب دیا تم ٹھیک کہتے ہو لیکن قرآن کی تاؑویل اور مختلف وجوہ ہیں، تمہاری ایک بات ہے ان کے پاس بھی نکات ہیں۔تم ان سے سنت کے ذریعے مناظرہ اور بحث کرو اس صورت میں ان کے لیے فرار کا کوئی راستہ نہیں ہوگا ابن عباس نے ایسا ہی کیا یہاں پر ان کے لیے کوئی حیل وحجت باقی نہیں رہی تھی۔(58) نہج البلاغہ میں بھی یہی بات ذکر ہوئی ہے۔فرمایا:

"لاتُخاصِمُهم بالقرآن فانَّ القرآنَ حمّالٌ ذووجوهتقولُ ويقولون ولكن حاججهم (خاصمهم)بِالسُّنّةِ فانَّهم لن تجدواعنها معيصاً "(59)

اس موضوع پر رسول اکرم ﷺ کا فرمان توجہ کا قابل ہے۔آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "القرآن ذَلولٌ ذووجوه فاحملوه على اَحْسنِ الوجوه "(60)قرآن ایک سواری اور متعدد صورتیں رکھتا ہے(یعنی ہر طرح سے اس کا معنی کیا جاسکتا ہے) پس اُسے بہترین وجہ پر حمل کرو(یعنی بہترین معنی کرو)

"نظایر"ان کلمات اور الفاظ کے لیے بروئے کار لایا جاتا ہے جن کے معانی ایک دوسرے سے نزدیک اور تقریباً مترادف ہوتے ہیں۔"نظایر مترادف الفاظ کے لیے استعمال ہوتا ہے اور یہ اس وقت ہے جب چند الفاظ (کلمے یا جملے) تقریباً ایک معنی دے رہے ہوں اور انہیں الگ الگ کرنا بہت ہی مشکل کام ہوتا ہے۔قرآن مجید میں دونوں چیزیں(وجوہ اور نظایر) کثرت سے پائی جاتی ہیں اس لیے وجوہ اور نظایر کی پہچان ایک تفسیری ضرورت ہے۔"(61)

تفسیر مجمع البیان کی ایک خوبی اور خصوصیت یہ ہے کہ طبرسی مرحوم الفاظ کی قربتوں اور معانی کے نظایر کو خوبصورتی سے بیان کرتے ہیں۔مثلاًوہ کہتے ہیں: "التوبة والاقلاع والانابة فی اللغة نظایر"(62) یا بیان کرتے ہیں: "الثمن والحوض والبدلُ نظائر" (63)اور(64)

پس جو قرآن کو سمجھنا چاہتا ہے اُسے چاہیے کہ وہ وجوہ اور نظایر کے حوالے سے کافی معلومات حاصل کرے ورنہ آیات الہی کے بارے میں اس کی تفسیر صحیح تفسیر نہیں ہو گی۔

۷۔ سیاق آیات سے غفلت

سیاق کلام کے پیوستہ قرائن میں سے ہے جس کی طرف توجہ کیے بغیر متکلم کے الفاظ سے اس کا معنی اور مراد نہیں سمجھا جاسکتا۔ سیاق الفاظ، یا عبارت یا ایک گفتگو کی ایک قسم کی خصوصیت ہے جو کلمات اور جملات کے ایک دوسرے کے ساتھ ہونے سے وجوہ میں آتی ہے۔ مثال کے طور پر جب "اِذھب اِلیٰ الجز" کا جملہ اہتمام کے ساتھ "واستمع حدیثه" کے جملے کے ساتھ ادا کیا جائے تو اس میں ایک خصوصیت اور خوبی پیدا ہوتی ہے جو ان کے الگ الگ ادا کرنے سے وجود میں نہیں آتی۔ اِس دلیل کی بناء پر جب دوسرے جملے کے ساتھ ہو تو مطلب یہ نکلتا ہے کہ "عالم کے پاس جاؤ" اور جب پہلا جملہ اکیلا ہو تو ظاہری معنی یہی ہے کہ "سمندر کی طرف جاؤ"۔ (65)

اگر ہم اہل بیت علیہم السلام کی روایات میں غور و فکر کریں تو دیکھیں گے کہ "سیاق" کا مسئلہ اچھی طرح بیان ہوا ہے۔ مثلاً عباد بصری نامی ایک شخص مکہ کے راستے میں امام سجاد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے کہا: کیا آپؑ نے جہاد اور اس کی سختی کو چھوڑ کر حج اور آسانی کو اختیار کیا ہے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (توبہ: 111)

جب اس کی بات ختم ہوئی تو امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا: آیت کو پورا پڑھو (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد) فرمایا ہے:

التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ "(توبہ "112)

پھر آپؑ نے فرمایا: "اذا رأینا هولاءِ الّذِین هذهِ صفتهم فالجهاد معهم افضل من الحج" (66) یعنی جب اس قسم کی صفات (آیت میں موجود) کے حامل افراد کو دیکھیں گے تو ان کے ساتھ جہاد حج سے افضل ہے۔

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا اس روایت کے مطابق امام علیہ السلام عباد بصری کو تاکید فرماتے ہیں کہ آیت کے باقی حصے کو مکمل کرتے ہوئے اس کے سیاق کو مد نظر رکھ کر بات کرو، نہ یہ کہ آیت کو آگے پیچھے سے کاٹ کر مطلب بیان کرو۔ پس آیات کے سیاق اور کلام سے مربوط قرائن سے عدم توجہ آیات کے معانی کو سمجھنے میں ایک اور مانع اور مشکل ہے۔ (67)

۔ یقیناً اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال جنت کے عوض خرید لیے ہیں، وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں پھر مارتے ہیں اور مارے جاتے ہیں، یہ توریت انجیل اور قرآن میں ان کے ذمے پکا وعدہ ہے اور اللہ سے بڑھ کر اپنا عہد پورا کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ پس تم نے اللہ لے ساتھ جو سودا کیا ہے اس پر خوشی مناؤ اور یہ تو بہت بڑی کامیابی ہے۔

۔ (یہ لوگ) توبہ کرنے والے، عبادت گزار، ثنا کرنے والے، (راہ خدا میں) سفر کرنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکی کی دعوت دینے والے اور برائی سے روکنے والے اور حدود اللہ کی حفاظت کرنے والے ہیں اور (اے رسول) مومنین کو خوشخبری سنا دیجیے۔

۸۔اسباب النزول سے غفلت

رسول اللہ ﷺ کے دور میں کبھی کوئی واقعہ رونما ہوتا یا لوگ سوال پیش کرتے اور اس کے جواب کی درخواست کرتے تو یہ امر سبب بنتا اور اللہ تعالیٰ آیت یا آیات نازل فرما کر حکم بیان فرماتا یا صورتحال کو واضح کر دیتا یا سوال کو جواب عطا فرما دیتا تھا۔ اسی طرح کے امور کو جو آیات کے نزول کا موجب بنتے تھے۔ انہیں سبب نزول کہتے ہیں۔ آیات کے اسباب النزول اور لوگوں سے خطابات الٰہی کے زمان و مکان کی طرف توجہ آیات کے مقصود اور معنی کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے مثلاً امام صادق علیہ السلام کے مطابق سورہ دھر کی آیات کا سبب نزول اہلبیت علیہم السلام اور ان کی خادمہ فضّہ کے یتیم، مسکین اور اسیر پر انفاق تھا۔(68)

اسی طرح ایک اور روایت میں دیکھتے ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے آیت شریفہ "إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُواْ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلاَةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ" (مائدہ: 55) کا سبب نزول حضرت علی علیہ السلام کا حالت رکوع میں زکوۃ ادا کرنا بیان فرماتے ہیں۔(69)

تیسری روایت میں امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب جنگ احد کے اختتام پر آنحضرت ﷺ نے حضرت حمزہ (علیہ السلام) کے مثلہ شدہ جنازے کو دیکھا تو فرمایا: "اگر میں ان (مشرکین) پر غالب آگیا تو میں ضرور ان کا مثلہ کروں گا اور ضرور مثلہ کروں گا"۔ اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

"وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُواْ بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرينَ" (نحل: 126)********

اس پر پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "اَصبرُ اصبرُ" (70) میں صبر کروں گا میں صبر کروں گا۔

پس اسباب نزول سے عدم توجہ فہم القرآن میں ایک اور مانع اور مشکل ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ فہم القرآن میں اہلبیت علیہ السلام کی نظر میں فقط مذکورہ مشکلات اور خطرات نہیں ہیں بلکہ روایات میں تحقیق اور غور و فکر سے دیگر مواقع اور مشکلات بھی تلاش کی جا سکتی ہیں ہم نے صرف اہم ترین کا ذکر کیا ہے۔

حوالہ جات

1 ۔ نهج البلاغه، ترجمه دشتی، خطبه 125

2 ۔ شیخ عباس قمی، مفاتیح الجنان، زیارت «جامعه کبیره

3 ۔ برگرفته از روایت امام علی (علیه السلام)، ر.ک: عبدعلی بن جمعه العروسی الحویزی، نور الثقلین، مطبعة العلمیه، قم، ج 1، ص 313.

4 ۔ ابن منظور الافریقی، لسان العرب، بیروت، دار الفکر، ج14، ص300.

5 ۔ سیدعلی کمالی دزفولی، شناخت قرآن، تهران، وزارت فرهنگ و ارشاد اسلامی، 1369، ص 311 .

6 ۔ مصطفی عبدالله مشهور به «حاجی خلیفه کاتب حلبی»، کشف الظنون، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ج 1، ص 434.

******** ۔ اور اگر تم بدلہ لینا چاہو تو اسی قدر بدلہ لو جس قدر تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے اور اگر تم نے صبر کیا تو یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہتر ہے۔

7 ـ الفیض الکاشانی، تفسیرالصافی، بیروت، مؤسسة الاعلمی للمطبوعات، ج 1،ص 36.

8 ـ ر.ك: محمدحسین طباطبائی، المیزان، قم، منشورات جامعة المدرسین، ج 3،ص 76-80.

9 ـ ر.ك: محمدحسین طباطبائی، المیزان، قم، منشورات جامعة المدرسین، ج 3،ص 76-80

10 ـ نہج البلاغہ، خطبہ 18.

11 ـ ہمان، خطبہ 133

12 ـ ہمان، خطبہ 133

13 ـ عیّاشی، تفسیرالعیاشی، المکتبة العلمیه الاسلامیه، ج 1،ص 319،حدیث 109.

14 ـ عبدالله جوادی آملی، تفسیرموضوعی قرآن درقرآن، قم، اسرا، 1378، ج 1،ص 395.

15 ـ شیخ صدوق، الامالی، چ چهارم، اسلامیه، 1362، مجلس دوم، حدیث سوم.

16 ـ نہج البلاغہ، خطبہ 147 / خطبہ 141.

17 ـ نہج البلاغہ، خطبہ 147 / خطبہ 141.

18 ـ محمد باقر مجلسی، بحارالانوار، ج 93، ص 12.

19 ـ برای آگاهی بیش تراز مسأله تفسیربه رأی، ر.ك: محمدهادی معرفت، التفسیر المفسرون، مشهد، الجامعة الرضویة للعلوم الاسلامیة، ج 2 / روش شناسی تفسیرقرآن، زیرنظرمحمود رجبی، ص 57 .

20 ـ شیخ حرّعاملی، وسائل الشیعه، بیروت، مؤسسة آل البیت لاحیاء التراث، ج 27،ص 183،حدیث 25.

21 ـ الفیض الکاشانی، همان، ج 1،ص 71.

22 ـ محمد حسین طباطبائی، ہمان، ج 3، ص 83.

23 ـ السیدهاشم البحرانی، البرهان فی تفسیرالقرآن، بیروت، مؤسسة الاعلمی للمطبوعات، ج 1،ص 24-34.

24 ـ محمد حسین طباطبائی، ج 1، ص 24.

25 ـ العیاشی، همان، ج 1،ص 244.

26 ـ الشیخ الطوسی، التبیان فی تفسیرالقرآن، مکتب الاعلام الاسلامی، 1409، ج 1،ص 5.

27 ـ محمدحسین طباطبائی، قرآن در اسلام، قم، انتشارات اسلامی، 1361،ص 70

28 ـ ر.ك: ابوالقاسم خوئی، البیان فی تفسیرالقرآن، چ سوم، قم، دارالثقلین، 1418،ص 398.

29 ـ شیخ حر عاملی، ہمان، ص 192، حدیث 41.

30 ـ سید محمدحسین فضل اللّه، من وحی القرآن، بیروت، دارالملاك، ج 1،ص 14

31 ـ محمد باقر مجلسی، ہمان، ج 47، ص 338، حدیث 16

32 ـ الحویزی، همان، ج 1،ص 21،حدیث 90.

33 ـ ر.ك: علی اکبربابایی، مکاتب تفسیری، ص 134

34 ـ محمد حسین طباطبائی، ہمان، ص 50.

35 ـ الفیض الکاشانی، ج 1،ص 54 / عیاشی، همان، ج 1،ص 10

36 ـ العیاشی، همان، ص 11.

37 ـ ر.ك: الحویزی، همان، ج 2، ص 280- 281.

38 ـ السید هاشم البحرانی، همان، ج6، ص526/ محمد بن یعقوب الکلینی، اصول الکافی، بیروت، دار التعارف، 1411، ج1، ص269

39 ـ آل عمران: 7/ اعراف: 53/ یونس: 39.

40 ـ عیاشی، همان، ص14 و 17.

41 ـ محمد حسین طباطبائی، همان، ص45.

42 ـ الحویزی، همان، ج 1، ص 315.

43 ـ شیخ حر عاملی، همان، ص198، حدیث 53.

44 ـ همان، ص207، حدیث 63.

45 ـ عبدالله جوادی آملی، همان، ص372.

46 ـ شیخ حر عاملی، همان، ص183، حدیث 23.

47 ـ برای مطالعه بیشتر ر.ك: السید ابوالقاسم الخوئی، همان، ص275 - 276.

48 ـ ابواسحاق الامام الثعلبی، تفسیر الثعلبی، بیروت، دار احیاء التراث العربی، 1422، ج 9، ص 261.

49 ـ ابواسحاق الامام الثعلبی، همان، و نیز ابوجعفر محمد بن جریر الطبری، جامع البیان (تفسیر الطبری)، چ سوم، بیروت، دار الکتب الاسلامیة، 1420، ج 12، ص 20.

50 ـ برای مطالعه بیشتر ر.ك: السید ابوالقاسم الخوئی، همان، ص376

51 ـ ر.ك: محمد هادی معرفت، التمهید، چ سوم، مؤسسة النشر الاسلامی، 1416، ص 274 - 298 / السید ابوالقاسم الخوئی، همان، ص 275 - 380.

52 ـ محمد حسین طباطبائی، همان، ص 34/ ص37

53 ـ محمد حسین طباطبائی، همان، ص 34/ ص37

54 ـ همان، ص38 به نقل از عیون اخبار الرضا، ج 1، ص 29.

55 ـ محمد باقر مجلسی، همان، ج93، ص12.

56 ـ محمد باقر مجلسی، همان، ج17، ص119

57 ـ شیخ حر عاملی، همان، ص183، حدیث 23.

58 ـ جلال الدین عبدالرحمن سیوطی، الاتقان، نشر شریف رضی، ج 2، ص 149 / ص 149.

59 ـ جلال الدین عبدالرحمن سیوطی، الاتقان، نشر شریف رضی، ج 2، ص 149 / ص 149.

60 ـ نهج البلاغه، نامه 77.

61 ـ الفیض الکاشانی، همان، مقدمه پنجم، ص36.

62 ـ محمد هادی معرفت، علوم قرآن، قم، مؤسسه انتشاراتی التمهید، 1378، ص 121.

63 ـ ابوعلی الفضل بن الحسن الطبرسی، مجمع البیان، تهران، مکتبة العلمیة الاسلامیة، ج 1، ص 88.

64 ـ همان، ص 94 و نیز ر.ك: الدکتور ناصر کاظم السراجی، الطبرسی و منهجه فی التفسیر اللغوی، بیروت، دار الاضوا، ص254- 270.

65 ـ روش شناسی تفسیر قرآن، ص 120.

66 ـ الحویزی، همان، ج 2، ص 272 / محمدباقر مجلسی، مرآة العقول، ج 18، ص 347.

67 ـ برای مطالعه بیشتر ر.ك: همان، ج 1، ص 102 به بعد.

68 ـ الحویزی، همان، ج 5، ص 474.

69 ـ الحویزی، همان، ج 1، ص 646.

70 ـ همان، ج 3، ص 96.